اردو غزل میں مکالمے کی روایت (آغاز سے ۱۷۲۰ء تک) ایک تحقیقی جائزہ

حسین محمود

ABSTRACT:

Elements of Dialogue in Urdu Ghazal are of much importance. It is the way of expression through which one can convince someone in a well-versed manner. Dialogue is often used as a tool of Novel, Drama, and Fiction but in Urdu and Persian poetry, it has been assimilated in different genres. Dialogue in Urdu Ghazal has very old history from the beginning. The first ever poets of Urdu like Masood Saad Salman, Ameer Khusro, Mullah Nusrati, and Quali Qutab Shah etc. have continued this convention in their Ghazals. In this article, a brief history of Dialogue in Urdu Ghazal has been analyzed in the light of poetry of those poets who maintained or contributed it in one or the other way.

Key Words:

Dialogue in Urdu Ghazal, Masood Saad Salman, Ameer Khusro, Mullah Nusrati, Quali Qutab Shah.

اُردو غزل کی ابتدائی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غزل کا آغاز جن شعرا نے کیا اور جنھوں نے اِس صنف میں اظہار کر کے اولیت حاصل کی اُن میں سے بعض نے غزل جیسی مائل بہ اختصار صنف میں بھی مکالمے کا بہت خوب صورت استعمال کیا ہے اور سوال و جواب کی صورت میں یا دیگر مختلف طریقوں سے بڑے خوب صورت مکالمے ادا کیے ہیں۔

اِس ضمن میں اولین اُردو شاعر مسعود سعد سلمان اہمیت کے حامل ہیں کیوں کہ مؤرخین ادب نے انھیں پہلا

اُردو شاعر قرار دیا ہے۔ وہ لاہور کے رہنے والے تھے اور: ۱۰۴۶ء سے ۱۱۲۱ء تک اُن کا عہد بنتا ہے۔ کچھ تذکرہ نگاروں نے ہمدان کو بھی اُن کی جائے پیدائش بتایا ہے، لیکن اِس کا حقیقت سے کوئی علاقہ نہیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ وہ شہرِ لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ اُردو غزل کے پہلے شاعر تھے۔ محمد عوفی نے لباب الالباب میں اُن کے تین دواوین کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے:

''اورا سہ دیوان است، یکی بہ تازی و یکی بہ پارسی و یکی بہ ہندوی۔''[۱]

مسعود سعد سلمان کا اُردو دیوان تا حال نا پید ہے یا دست بردِ زمانہ کی نذر ہو چکا ہے لیکن اُن کا فارسی کلام موجود ہے اور اُن فارسی غزلیات میں ایک غزل ایسی بھی ہے جس میں مکالمے کی صورت میں اظہار کیا گیا ہے۔ اِس سے اتنی بات واضح ہو جاتی ہے کہ مکالمے کی روایت اُردو کے اولین شاعر کے یہاں با قاعدہ طور پر موجود ہے۔ اِسی غزل سے چند شعر پیشِ خدمت ہیں:

گفتم کہ چند صبر کنم ای نگار گفت
تاھست عمر گفتم رنجہ مدار گفت
بی رنج عشق نبود گفتم نمک برنج
فرسودہ چند باشد ازین ای نگار گفت
جز انتظارِ روی ندارد ترا ہمی
گفتم شدم ہلاک من از انتظار گفت[۲]

مسعود سعد سلمان کی غزل میں محبت کی زخم خوردگی کا احساس واضح اور نمایاں ہے۔ عشق کا روگ اُنھیں ایک ایسا روگ لگا ہے جو آخری سانس تک اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ محبت کی یہ وارداتیں مکالمے کی صورت میں زیادہ پُر تاثیر اور دل کش لگنے لگتی ہیں۔

اُردو کے اولین شعرا میں سے ایک اور نام جو تاریخی اہمیت کا حامل ہے، یمین الدین ابوالحسن خسؔرو کا ہے۔ اُن کا عہد ۱۲۵۳ء سے ۱۳۲۵ء تک ہے۔ اُنھوں نے اُردو میں بھی کچھ شاعری کی ہے، لیکن وہ با قاعدہ شائع نہیں ہوئی۔ گویا وہ شاعری اُنھوں نے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے کی۔ ایک اہم بات اِس حوالے سے یہ لائقِ ذکر ہے کہ اُن کے اُردو کلام میں دست بردِ زمانہ کے ہاتھوں اتنی ترمیمات ہو گئی ہیں کہ اب اُن کے اُردو کلام کو سند کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اُن کی فارسی غزل میں مکالمے کی بھر پور روایت موجود ہے۔ وہ بڑے جامع الکمالات شخص تھے، کئی زبانوں میں شاعری کی لیکن وہ فارسی شاعری میں ایک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کو اُن سے ایک رُوحانی تعلق بھی رہا ہے۔ اُن کی جس غزل میں مکالمہ موجود ہے اُس کے چند شعر ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

گفتم کہ ترا آخر دل خانہ نمی باید
گفتا کہ پگا نجم ویرانہ نمی باید

گفتم کہ بسوزم جان بر آتش روی تو
گفتا کہ چراغم را پروانہ نمی باید
گفتم کہ بچشمِ شنن، یک گوشہ دگر مردم
گفتا من تنہا راھمخانہ نمی باید [۳]

خسرو کے مکالمے بڑے پرتاثیر ہیں۔ وہ تصوف کی دنیا سے وابستہ تھے اور دلوں پر اثر انداز ہونے کے فن سے اور ادب آداب سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معاملاتِ عشق و عاشقی، تصوف، گیت نگاری، غزل گوئی اور موسیقی شناسی میں اپنے عصر میں بڑے نمایاں تھے۔

اِن ابتدائی دَور کے شعرا کے ضمن میں غالباً اُردو غزل کے اولین نمائندے کے طور پر جو شاعر سب سے زیادہ اہم اور مشہور ہیں وہ محمد قلی قطب شاہ ہیں۔ اُن کا عہد: ۱۶۱۴ء سے: ۱۶۷۲ء تک ہے۔ اُنھیں با قاعدہ طور پر اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اُن کا کلام با قاعدہ ایک منضبط طریقے سے جمع کیا گیا، اُس کی تدوین کی گئی اور کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ گولکنڈہ کے پانچویں تاج دار تھے اور مغلِ اعظم جلال الدین اکبر کے ہم عصر تھے۔ اُن کا دربار علما و فضلا اور فن کے قدر دانوں سے مزین تھا۔ قلی قطب شاہ میں بہت سی خوبیاں مجتمع تھیں۔ وہ ایک نیک دل اور رعایا پرور بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوب صورت لہجے کے شاعر بھی تھے۔ ایک اندازے کے مطابق اُن کا اُردو کلام پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اُنھوں نے مختلف اصنافِ سُخن میں طبع آزمائی کی ہے، لیکن اُن کی غزل بڑی توانا ہے۔ اُنھوں نے ایک ایسی غزل بھی کہی ہے جس کے ہر شعر میں سوال و جواب کی صورت میں مکالمہ موجود ہے۔ اُس غزل کے چند شعر پیش ہیں:

کہیا کہ بوسہ سیتی ہمن تم جواں کرو
کہئے پرت کی بات تمن جیو کا جاں کرو
کہیا کہ آفتاب کرن آئی قول کوں
کہئے کہ قول جوت سوں لکھ کر رواں کرو
کہیا ادھر تمارے جیون کوں جلاوتے
ہنس کر کہی یہ بات نکو تم باوں کرو
کہاے کہ بُت پرستی کرو بُت پوجن سٹو
کہاے کہ دونوں بات میں ایک امتحاں کرو [۴]

قلی قطب شاہ نے فارسی شاعری بھی کی تھی لیکن انھیں با قاعدہ اولین اُردو شاعر کا اعزاز حاصل ہوا اور اُن کی کلیات میں مختلف اصناف کی شاعری کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اُن کی مذکورہ بالا غزل میں موجود مکالمے اُردو غزل کی ابتدائی شکل کے نمونے کے طور پر پیش جا سکتے ہیں۔ شاعر کے جذبات کی عکاسی اِن مکالموں سے خوب ہوتی ہے اور

غزل کا غالب موضوع، حُسن و عشق پوری طرح اِس غزل کی فضا پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ مکالمے کی وہی روایت ہے جسے قلی قطب شاہ سے پہلے کے شعرا نے بھی قائم رکھا تھا، لیکن اُردو میں اس کے نمونے خال خال دیکھے گئے۔ البتہ قلی قطب شاہ نے باقاعدہ پوری غزل اس روایت کی فضا میں لکھ کر خود کو اِس کے ایک بانی کے طور پر ہی پیش نہیں کیا بلکہ اُردو کے آئندہ شعرا کے لیے ایک مثال کے طور پر بھی سامنے رکھ دیا۔

محمد قلی قطب شاہ کے ذکر کے ساتھ عبداللہ قطب شاہ کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔ یہ پورا شاہی خاندان ایسا تھا جس نے کئی دہائیوں تک فن و ادب کی زبردست خدمت کی اور نہ صرف ادبا و علما کی قدر افزائی کی بلکہ اُردو ادب کو خود کئی قادر الکلام شاعر بھی دیے۔ عبداللہ قطب شاہ اس دَور کے شعرا میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے نانا محمد قلی کے نقشِ قدم پر گامزن تھے۔ اُن ہی کی طرح محفل ساز اور انجمن باز رہے اور فن و ادب کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اُن کا کلام سیدھا سادہ اور آسان ہے۔ فلسفیانہ موشگافیاں اور ادق علمی مسائل کا بیان نہیں۔ البتہ اُن کی زبان زیادہ صاف ہوگئی ہے اور یہ زبان کی ارتقائی صورت کا نتیجہ تھا۔ اُنھوں نے غزل میں مکالمے کی روایت کو بھی برقرار رکھا ہے۔ وہ اپنے پیش روشعرا کی طرح شعری روایات سے باخبر تھے۔ ایک ادبی ماحول میں پروان چڑھے تھے اور خود فن کے قدر دانوں میں سے تھے، لہٰذا اُن کے مکالمے بھی بڑے خوب صورت اور رواں ہیں۔ اُن کی زبان فارسی اور اُردو ملی جلی ہے۔ یہ اُردو غزل کی اولین صورتوں میں سے ایک ہے۔ شعرا کے جذبات و احساسات عموماً ایک سے ہوتے ہیں۔ موضوعات بھی بالعموم زیادہ متفاوت نہیں ہوتے، البتہ ندرت اور جدت کے پیمانے اور اُسلوب کے انداز شاعر کے ذہن کی زرخیزی پر منحصر ہوتے ہیں۔ عبداللہ کی جس غزل میں مکالمے کی روایت موجود ہے اُس کے چند شعر یہ ہیں:

گفتم کہ اے پری توں ہے فتنۂ زمانا
گفتا کہ راست گفتی اے گہن بھرے سجانا
گفتم کہ در جہاں لیلیٰ ہو آئی ہے توں
گفتا کہ من چو مجنوں پائی ہوں تجھ دوانا
گفتم کہ خال و زلفت کا ہے سو بول منج کوں
گفتا کہ زلف دام است ہور خال ہے سو دانا [۵]

عبداللہ نے بھی صنفِ غزل سے خصوصی دل چسپی دکھائی ہے۔ اُن کے غزلیہ سرمائے سے اُردو غزل متمول ہوئی ہے اور مکالمے کی روایت اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا کام بھی انجام دیا گیا ہے۔

ملک الشعرا ملا وجہی کا نام تاریخِ ادب میں محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ اُردو کے پہلے نثر نگار کے طور پر بھی اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور شاعری میں بھی ملک الشعرائی کا منصب اُن کے پاس تھا۔ وہ محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں ملک الشعرا تھے۔ قدرت نے انھیں بڑی تخلیقی توانائیوں سے نوازا تھا۔ اُن کی مثنوی قطب مشتری اور اولین نثری کتاب سب رس سے بھی اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ دربار میں وہ اہم ترین شاعر کی حیثیت سے مشہور تھے۔

کئی زبانوں بالخصوص اُردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ اُن کی غزل میں بھی مکالمے کی روایت دیکھی جا سکتی ہے، لیکن یہ اُن کے فارسی کلام کا حصہ ہے:

گفتم کہ دارم اے صنم، گفتا کہ مگوئی غلط
گفتم کہ دل خون شد زغم، گفتا کہ مگوئی غلط
گفتم کہ ترکِ چشمِ تو از خنجر خون ریزرا
بشگافت دل را چون قلم ، گفتا کہ مگوئی غلط
گفتم کہ در راہِ غمِ عشقِ بلا انگیز تو
سرمی نہم جائے قدم ، گفتا کہ مگوئی غلط
گفتم تو سلطانی و از بد اری دیوان وجہہ
پدتا شدہ فوج و حشم ، گفتا کہ مگوئی غلط [۶]

وجہی کی یہ غزل گو فارسی کلام سے ہے لیکن اِس سے غزل میں مکالمے کی روایت کے استحکام کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے دَور کے بڑے فن کار تھے۔ ڈاکٹر یعقوب عامر لکھتے ہیں:

"وجہی بڑا فن کار تھا اور اسے اس کا بھرپور احساس بھی تھا، اِس لیے اُس نے اپنے فن کی داد اپنے پیش رو فیروز اور محمود سے چاہی ہے۔ وہ جگہ جگہ اپنے فن کے بارے میں بلیغ اشارے کرتا ہے اور دوسرے شاعروں کے مقابلے میں اپنے کلام کی ترجیحی نوعیت کو آشکار کرتا ہے۔" [۷]

وجہی کے زمانے میں ہی اُردو شاعری کی ایک مضبوط روایت موجود تھی۔ فرشوز، مُلا خالقی اور محمود کا اُسی دَور میں بڑا چرچا تھا اور وجہی نے بھی اُن کی عظمت کا مختلف مقامات پر اعتراف کیا ہے۔

وجہی مکالمے کی زبان میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے۔ وسیع ذخیرہ الفاظ کی بنا پر وہ کسی طرح کی غرابت کا شکار نہیں ہوتے اور غزل میں مکالمے کی روایت کو پوری ذمہ داری سے آگے بڑھانے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

ولی دکنی سے پہلے کے شعرا میں جو شاعر بہت زیادہ مشہور ہوئے ان میں سے ایک نام ملک الشعرا مُلا نصرتی کا بھی ہے۔ اُن کا اصل نام محمد نصرت نصرتی تھا، مادر زاد شاعر تھے لیکن اپنی محنت کے بل بوتے اور مطالعہ کے زور پر اتنی شہرت حاصل کی کہ مُلا نصرتی کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ اپنے عہد ہی کے نہیں بلکہ اُردو کے مشہور ترین شعرا میں سے ایک ہیں۔ اگرچہ اُنھوں نے زیادہ تر "مثنویاں" کہی ہیں اور اِن "مثنویوں" کی وجہ سے وہ کچھ بدنام بھی ہوئے لیکن اُنھوں نے مثنویوں کے ذریعے بھی زبان و لفظیات کے حوالے سے ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ اُنھوں نے "نظمیں" بھی کہیں، "غزلیں" بھی، "مثنویاں" اور "قصائد" بھی۔ علاوہ ازیں "ہجو نگاری" بھی کی ہے۔ اُن کا کمال یہ ہے کہ وہ کسی بھی منظر کی تصویر کم سے کم الفاظ میں اور مؤثر انداز میں کھینچنے کے فن سے واقف ہیں۔ غزل میں اُنھوں نے مکالمے کی روایت کی پاس داری کی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی (مرحوم) کے مرتب کردہ "دیوانِ

نصرتی‘‘ میں مکالمے پر مشتمل ایک غزل ملاحظہ کی جاسکتی ہے، غزل طویل ہے لہٰذا صرف چند شعر درج ذیل ہیں:

چندر بدن کہا تو کہی مکہ سنبھال بول
سورج مکھی کہا تو کہی یوں نہ گھال بول
دونو تجھے نکوں تو سکھی کہہ تو کیا کہوں
کہی اس بہشتِ حُسن کوں جم جگ او جال بول
بولیا نشاں ہے عشق کے راوت کا قد تیرا
بولی کہ فوج فنوہ اُوچانے کی ڈھال بول [۵]

سہ ماہی اُردو میں مولوی عبدالحق نے بھی اُن کی اِس غزل کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے۔ نصرتی کی یہ غزل مکالمے کی روایت کو آگے بڑھانے میں ممد ثابت ہوئی ہے۔

اِن مذکورہ شعرا کے علاوہ نواب صدر الدین محمد خاں فائز دہلوی، ولی دکنی، سید میراں خاں ہاشمی بے جاپوری اور مرزا محمد رضا قزلباش خاں امید ہمدانی سے ہوتے ہوئے غزل میں مکالمے کی روایت کا یہ سلسلہ تا دَورِ آخر برابر قائم رہا ہے۔ دَورِ جدید میں بھی اس کو غزل کے ایک اہم پہلو کی حیثیت حاصل ہے لیکن اِن سب شعرا کا فرداً فرداً ذکر نہیں کیا جا سکتا، البتہ اتنی بات بڑی واضح ہے کہ روایتِ مکالمہ اُردو غزل میں فارسی غزل سے آئی ہے۔ اب یہ اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہے۔ اِس نے اُردو کی غزل میں جگہ پائی ہے اور دَورِ جدید کے کچھ شعرا نے بھی اِس روایت سے شغف کا اظہار کیا ہے۔ غزل کی اِس روایت کو نبھاتے ہوئے دَورِ حاضر کے کئی شعرا نے پورے پورے مجموعے بھی شائع کرائے ہیں، لیکن ایسا کرنے سے اِس روایت پر صناعی کی تہہ چڑھتی دکھائی دی ہے اور جس طرح کلاسیک شعرا نے اپنی طبیعت کی اپج کے تحت غزل میں مکالمے کی روایت کو آگے بڑھایا تھا یہاں وہ بات پیدا نہیں ہوسکی، مصنوعی پن کا عنصر قدرے بڑھ گیا اور تخلیقی لحاظ سے دَورِ حاضر کی غزل میں وہ استحکام نظر نہیں آتا جو مثلاً فارسی غزل یا ابتدائی اُردو غزل میں نظر آتا ہے۔ اِس روایتِ مکالمہ میں نئے دَور کے لوگوں نے کوئی خاص جدت پیدا نہیں کی اور اِس کا دامن دورِ حاضر کے شعرا کی مساعی سے قابلِ لحاظ حد تک وسعت آشنا نہیں ہوسکا۔

حوالہ جات:

۱۔ محمد عوفی، لباب الالباب، حواشی وتعلیقات سعید نفیسی، اسفند، ایران: کتاب خانہ ابنِ سینا، ۱۳۳۳ھ، ص ۴۲۳

۲۔ مسعود سعد سلمان، دیوانِ مسعود سعد سلمان، ایران: رشید یاسمی، چاپخانہ پیروز، تاریخ زیباہی کہزاروسی صدوسی نہ چاپ شدہ است، ص ۲۷۰

۳۔ یمین الدین ابوالحسن خسرو، کلیاتِ غزلیاتِ خسرو، لاہور: پیکجز لمیٹڈ، ۱۹۷۳ء، ص ۱۲۹

۴۔ محمد قلی قطب شاہ، کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ، مرتبہ محی الدین قادری زور، حیدرآباد دکن: ابراہیمیہ مشن پریس، ۱۹۴۰ء، ص: ۱۸

۵۔ بحوالہ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اُردو، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، پانچویں بار، ۱۹۶۰ء، ص ۶۵

۶۔ سخاوت مرزا، ’’ملا وجہی کی فارسی شاعری‘‘، سہ ماہی اُردو، ۱۹۴۷ء، جلد: ۵۰، ص ۹۳

۷۔ محمد یعقوب عامر، ڈاکٹر، اُردو کے ابتدائی معرکے، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو، س ن، ص ۷۹

۸۔ نصرتیؔ، دیوانِ نصرتیؔ، مرتبہ: جمیل جالبی، ڈاکٹر، لاہور: قوسین، ۱۹۷۲ء، ص ۶۱